مسائل حاضرہ میں قرآن اور اسوۂ رسولؐ کی رہنمائی

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ۔ (الاعراف - ۱)

پیروی کرو اس ہدایت کی جو تمہاری طرف خدا کے پاس سے نازل کی گئی ہے۔ خدا کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرنے لگو۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ (آل عمران - ۴)

اے نبی کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تم کو دوست بنالے گا اور تمہیں بخش دے گا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ (الاحزاب - ۳)

تمہارے لئے یقیناً اللہ کے رسول میں عمل کا اچھا نمونہ موجود ہے جو کوئی اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو، اور روز آخرت کے آنے کی توقع رکھتا ہو۔ اس کے لئے ز تو پیروی کا صحیح نمونہ وہی ہے۔

جو لوگ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، یا جنہوں نے کبھی قرآن پڑھا ہے۔ ان کی نظر سے اس کتاب پاک میں یہ آیات ضرور گذری ہوں گی۔ بہت سوں کو ان کے معانی سے بھی واقفیت ہوگی۔ خصوصاً آخری آیت سے تو کوئی وعظ اور کوئی اصلاحی

خطبہ خالی نہیں ہوتا۔ مگر آج ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ایک بار پھر یہ آیات نظروں کے سامنے لائی جائیں، کیونکہ ایسا گمان ہوتا ہے کہ شاید ساری مسلمان قوم ان آیات کو بھول گئی ہے۔

مجملاً ہر مسلمان اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ بحیثیت مسلمان ہونے کے ہم کو قرآن اور اسوۂ رسولؐ ہی کا اتباع کرنا چاہیئے۔ اور ہمارے لئے ہدایت الٰہی دو چیزوں میں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ ہدایت جس کے اتباع کا حکم اس قطعیت کے ساتھ تم کو دیا گیا ہے، آیا اس کا دائرہ صرف طہارت اور استنجاء اور عبادات اور رباصلاح زمانۂ حال، "مذہبی" معاملات ہی تک محدود ہے یا تمہاری زندگی کے چھوٹے اور بڑے، دینی اور دنیوی، قومی اور ملکی تمام معاملات پر حاوی ہے؟ نیز یہ ہدایت صرف اس زمانہ اور اس ملک کے لئے تھی جس میں قرآن نازل ہوا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے، یا درحقیقت یہ زمانی و مکانی قیود سے مبرا ہے اور اس میں ہر زمانے اور ہر ملک کے مسلمانوں کے لئے ویسی ہی سچی اور صحیح رہنمائی موجود ہے جیسی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے عربوں کے لئے تھی؟ اگر پہلی بات ہے تب تو نعوذ باللہ قرآن کا یہ مطالبہ ہی غلط ہے کہ سب رہنماؤں کو چھوڑ کر صرف اسی کی پیروی کی جائے، اور تمام دُنیا کے طریقوں کو ترک کر کے صرف اس ایک شخص کے اسوہ کا اتباع کیا جائے جو ہمارے پاس قرآن لایا تھا۔ اس صورت میں تو اتباع کرنے کے بجائے تم کو اپنے ایمان ہی پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔ لیکن اگر بات دوسری ہے، تو یہ کیا ماجرا ہے کہ تم وضو اور غسل کے مسائل میں، نکاح اور طلاق کے معاملات میں، ترکے اور وراثت کے مقدمات میں تو اُس سرچشمۂ ہدایت

کی طرف رجوع کرتے ہو، مگر جن مسائل کے حل پر تمہاری قوم کی زندگی و موت کا مدار ہے، ان میں نہیں دیکھتے کہ قرآن تمہیں کونسا راستہ دکھاتا ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کس طرف تمہاری رہنمائی کرتی ہے۔

انتشار خیال و تشتت عمل

ہندوستان میں ہر طرف ایک بے چینی نظر آتی ہے۔ ساری مسلمان قوم پر ایک پریشانی چھائی ہوئی ہے۔ مستقبل کا سوال ایک ورشنی ہنڈی کی طرح مسلمان کے سامنے آن کھڑا ہوا ہے اور تقاضا کر رہا ہے کہ یا تو میرا معاملہ صاف کرو یا دیوالہ نکالو۔ لیکن اس قوم کا حال کیا ہے؟ جس کا جدھر منہ اٹھ رہا ہے چلا جا رہا ہے اور جس کے ذہن میں جو بات آرہی ہے کہہ رہا ہے اور لکھ رہا ہے۔ کوئی مارکس اور لینن کے اسوے کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہے، کوئی ہٹلر اور مسولینی کی سنت پر عمل کر رہا ہے، کوئی گاندھی اور جواہر لال کے پیچھے چلا جا رہا ہے، کوئی فرائض کی پرانی فہرست میں ایک نئے فرض کا اضافہ کر رہا ہے، کسی پر نشستوں اور ملازمتوں کے فی صدی تناسب کا بھوت سوار ہے، کوئی حرکت اور عمل کا پجاری بنا ہوا ہے اور ہانکے پکارے کہہ رہا ہے کہ اگر پشاور کی گاڑی نہیں چلتی تو راس کماری ہی کی طرف جانے والی گاڑی پر سوار ہو جاؤ؛ اس لئے کہ منزل مقصود کوئی نہیں، حرکت ہی فی نفسہٖ مقصود ہے۔ غرض ہر شخص جو کچھ بول سکتا ہے ایک نئی تجویز قوم کو سنا دیتا ہے۔ اور ہر شخص جو کچھ لکھ سکتا ہے ایک ماہرانہ و مبصرانہ مقالہ لکھ کر شائع کر دیتا ہے۔ مگر اس تمام شور و شغب اور اس پورے ہنگامے میں کسی کو بھی یہ یاد نہیں آتا کہ ہمارے پاس قرآن نامی بھی کوئی کتاب ہے جس نے زندگی کے ہر مسئلہ میں ہماری رہنمائی کا ذمہ لے رکھا ہے اور

ہم سے کبھی یہ بھی کہا گیا تھا کہ زندگی کے ہر معاملے میں تمہارے لئے ایک عملی نمونہ نہ موجود ہے۔

ہدایت صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں ہے

مسلمانوں کو مختلف راستوں کی طرف بلایا جا رہا ہے۔ ہر راستہ کی طرف بلانے والوں میں بڑے بڑے مقدس علماء ہیں۔ بڑے بڑے نامور لیڈر ہیں۔ بڑے بڑے زباں آور خطیب اور ماہر فن انشا پرداز ہیں۔ ہر وادی کے سرے پر ایسے لوگ کھڑے ہیں جن کی آزمودہ کاری مسلّم، قومی خدمات ناقابل انکار، اور سیاسی مہارت و بصیرت معروف و مشہور ہے۔ ہر رہنما بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے اپنے راستے کے نشیب و فراز دکھا رہا ہے اور دوسرے راستوں کے خدشات بیان کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ بہت قابل قدر ہے۔ مگر مسلمان کی فطرت کہتی ہے کہ اِیْتُوْنِیْ شَیْئًا مِّنْ کِتَابِ اللہِ وَ سُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ حَتّٰی اَقُوْلَ ۔ میرے سامنے شخصیتوں کو نہ لاؤ۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، عالم و فاضل ہو، مفسر قرآن ہو، معلم حدیث ہو، ماہر سیاست ہو، عمل اور قربانی کا نمونہ ہو، اس کی حرمت میرے سر اور آنکھوں پر، مگر جو ہدایت وہ دے رہا ہے، اگر وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے تو میرے لئے لائق اتباع نہیں ہاں اگر وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں سے کوئی دلیل اپنے پاس رکھتا ہے تو شخصی عظمت کی آمیزش سے الگ کر کے اس کو اور صرف اس کو سامنے لاؤ۔ اس لئے کہ وہی لائق اتباع ہے، اسی میں سچی ہدایت ہے اور اسی کی پیروی میں صلاح و نجات ہے۔ اس کے بتائے ہوئے راستے میں خواہ کتنے ہی خدشات ہوں، کتنی ہی دشواریاں

اور کتنے ہی نقصانات ہوں، آخری اور دیرپا اور یقینی کامیابی اسی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

آیئے آج اسی نقطۂ نظر سے قرآن اور سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کریں کہ ہمارے اس وقت کے قومی مسائل میں اس کے اندر کیا ہدایت ہے۔ کچھ پروا نہیں اگر کوئی اس بات کو دقیانوسیت اور رجعت پسندی کہہ کر ناک بھوں چڑھائے۔ حالات جدید سہی، جغرافی ماحول مختلف سہی۔ مگر جس ہدایت کی طرف ہم رجوع کر رہے ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ وہ ہر زمانے میں جدید ہے، ہر دور میں وقتی ہے، اور ہر جغرافی ماحول میں مقامی ہے۔

بعثت محمدیؐ کے وقت عرب کی حالت اور حضورؐ کا طرز عمل

ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپؐ کے وطن کی سیاسی حالت کیا تھی اور اس حالت میں آپؐ نے کیا طرز عمل اختیار کیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت عرب ہر طرف امپیریلسٹ طاقتوں سے گھرا ہوا تھا اور خود ملک کے اندر ہمسایہ قوموں کا امپیریلزم نفوذ کر چکا تھا۔ آپ کی پیدائش سے چند ہی روز پہلے حبشی فوجیں یلغار کرتی ہوئیں خاص اس شہر تک پہنچ گئی تھیں جس میں آپ پیدا ہوئے۔ عرب کا سب سے زیادہ زرخیز صوبہ، یمن، پہلے حبشیوں کے اور پھر ایرانیوں کے تسلط میں جا چکا تھا۔ عرب کے جنوبی اور مشرقی سواحل ایرانیوں کے زیر اثر تھے۔ عراق عرب کا علاقہ نجد کے حدود تک ایرانیوں کے اثر میں تھا۔ شمال میں عقبہ و معان تک بلکہ تبوک تک سلطنت روم

کے اثرات پہنچے ہوئے تھے۔ دونوں ہمسایہ سلطنتیں عرب کے قبائل کو اپنی اغراض کے لئے ایک دوسرے سے لڑاتی تھیں اور اندرون عرب میں اپنے اثرات پھیلا رہی تھیں۔ متعدد مرتبہ قسطنطنیہ کا قیصر مکہ کی چھوٹی سی ریاست کے معاملات میں مداخلت کر چکا تھا۔ عربی قوم کو ہر ملک گیر طاقت اپنے قبضہ میں لانا چاہتی تھی، کیونکہ اس قوم کا ملک بنجر تھا، مگر قوم بنجر نہ تھی۔ جہانگیری کے لئے بہترین سپاہی اس سے فراہم ہو سکتے تھے۔

ان حالات میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے کیا کیا؟ اگرچہ آپ کو اپنے وطن اور اپنی قوم سے فطری محبت تھی، اور آپ سے بڑھ کر حریت پسند کوئی نہ تھا۔ مگر آپ نے ایک قوم پرست (NATIONALIST) یا وطن پرست (PATRIOT) کی حیثیت اختیار نہ کی بلکہ ایک حق پرست اور خدا پرست کی حیثیت اختیار کی۔ آپؐ کی نگاہ میں مقدم کام یہ نہ تھا کہ اپنے اہل وطن کی قوت کو مجتمع کر کے اجنبی استیلاء کی جڑیں خاک وطن سے اکھاڑ پھینکیں بلکہ ہر دوسرے کام سے مقدم یہ تھا کہ حق پرستوں کا ایک جتھا بنائیں اور اس کے اندر ایسی طاقت پیدا کر دیں کہ وہ صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ خود روم و ایران میں بھی ظلم و عدوان کے استیلاء کا خاتمہ کر دے۔ آنحضرتؐ کے اہل وطن آپؐ کے بہترین اوصاف سے واقف تھے انہوں نے عرب کی پادشاہی کا تاج آپؐ کے سامنے پیش کیا تھا اس شرط پر کہ آپؐ اپنے اس جتھے کی توسیع و تنظیم سے باز آجائیں۔ اگر آپؐ وطن پرست ہوتے تو خدمتِ وطن کا اس سے بہتر موقع اور کونسا ہو سکتا تھا۔ مگر آپؐ نے اس تاج کو ٹھکرا دیا، اور اسی کام میں لگے رہے جس کے بارآور ہونے کی کم از کم اس وقت کوئی شخص امید نہ

کر سکتا تھا۔ اُس وقت آپؐ کی جمعیت دس بارہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی۔ تمام ملک میں کوئی قبیلہ اور کوئی گروہ آپؐ کا ساتھی نہ تھا بلکہ سب مخالف اور سخت مخالف تھے۔ ظاہر اسباب کے لحاظ سے کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ اسکیم کب کامیاب ہوگی جس کو آپؐ لے کر اُٹھے تھے۔ اس بات کا ہر وقت امکان تھا کہ واقعۂ فیل کی طرح کا کوئی دوسرا واقعہ پھر پیش آجائے اور حجاز بھی یمن اور ارض غسّان کی طرح اجنبی حکومت کا غلام بن جائے۔ مگر آپؐ نے ہر حال میں یہی ضروری سمجھا کہ پہلے حق پرستوں کی جمعیت کو بڑھائیں اور مضبوط کریں، پھر جیسی صورت حال ہو اس کے مطابق ملکیوں اور غیر ملکیوں کے ساتھ کوئی معاملہ کریں۔

اس کی کیا وجہ تھی؟ کیا آپؐ "کمیونلسٹ" تھے؟ کیا آپؐ نعوذ باللہ اپنے وطن کے غدار تھے؟ کیا خاکم بدہن آپؐ غیر ملکی امپیریلزم کے ایجنٹ تھے؟ ہرگز نہیں۔ تاریخ کے ناقابل انکار حقائق گواہ ہیں کہ کسی فرزند وطن نے اپنے وطن کو اتنی سربلندی عطا نہیں کی جتنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت عرب کو نصیب ہوئی۔ اور تاریخ ہی اس بات پر بھی گواہ ہے کہ کسی داعی دین نے غیر مذہب والوں کے ساتھ اتنے تحمل، اتنی فیاضی، اتنی رواداری اور اتنی فراخ حوصلگی کا برتاؤ نہیں کیا۔ پھر یہ بھی دُنیا کو معلوم ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے کبھی روٹیوں کی تقسیم اور منافع کے بٹوارے کا سوال ہی نہیں اُٹھایا۔ آپؐ نے نہ کبھی مکّی زندگی میں اس بنیاد پر مصالحت کی کہ ریاست قریش کے دار الندوہ اور جنگی و سیاسی عہدوں میں مسلمانوں کی آتنی نمائندگی ہو، اور نہ مدنی زندگی میں اس مسئلہ کو مدار صلح قرار دیا کہ یہود کے معاشی وسائل میں مسلمانوں کا اتنا حصّہ ہو۔

اب غور کیجئے کہ جب وہاں نہ کیمونلزم تھا نہ وطن دشمنی تھی نہ اعدائے وطن سے ساز باز تھا، تو پھر کون سی چیز تھی جس کی بنا پر آپؐ نے عرب کی سیاسی نجات اور تمدنی و معاشی ترقی پر اپنی بہترین قوتوں اور قابلیتوں کو صرف کرنے سے انکار کیا اور ہر کام سے پہلے خدا کا نام لینے والوں کی ایک طاقتور جمعیت بنانا اور زمین میں اس کا دبدبہ قائم کرنا ضروری سمجھا؟ اس کا جواب ایک اور ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نصب العین وطن پرست کے نصب العین سے بالکل مختلف تھا۔ اس نصب العین کی راہ میں باہر کے قیصر و کسریٰ اور گھر کے ابوجہل و ابولہب دونوں یکساں سدراہ تھے۔ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ناگزیر یہ تھا کہ واقعات کی رفتار اور ملک کے مستقبل اور آئندہ کے امکانی خدشات، سب کی طرف سے بے پروا ہو کر ایک ایسی جماعت کو منظم کیا جائے جو باطل کے غلبہ کو کسی صورت میں قائم نہ رہنے دے۔ اور اپنی طاقت سے زمین میں ایسی حالت قائم کر دے جس میں خدا پرستانہ تہذیب امن کے ساتھ پھل پھول سکے حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

وہی نصب العین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان قوم کو دے گئے۔ مسلمان قوم ایک قوم ہی اس بنیاد پر بنی ہے کہ یہ نصب العین اس کے تمام افراد کا مشترک اور واحد نصب العین ہے۔ اس نصب العین کو سلب کر لیجئے پھر مسلمان قوم کسی قوم کا نام نہیں ہے۔ یہاں عرب اور عجم کی کوئی خصوصیت نہیں زبان و مکان کا کوئی سوال نہیں مسلمان اگر مسلمان ہے تو ہر حال میں یہی اس کا نصب العین ہے۔

مسلمانوں کو کس طرح جمع کیا جاسکتا ہے؟

اب ایک دوسری نظر اسی کتاب ہدایت اور اسی سیرت پاک پر ڈالئے :-

یہ جتھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا، اس کی بنیاد کسی مادر وطن کی فرزندی، کسی نسل انسانی کے انتساب، کسی سیاسی و معاشی مفاد کے اشتراک پر نہ تھی، بلکہ ایک مخصوص عقیدے اور ایک مخصوص طرز عمل پر تھی۔ اس کو جوڑنے والی طاقت خدا کی محبت اور بندگی تھی نہ کہ اغراض کی محبت اور مادّی مقاصد کی بندگی۔ اس کی طرف لوگوں کو بلانے والا نعرہ، اذان کا نعرہ تھا نہ کہ وطنیت کا نعرہ۔ اس کے اجزاء کو سمیٹ کر ایک بنیان مرصوص بنانے والی چیز ایک اِن دیکھے خدا کی عبادت تھی نہ کہ کوئی محسوس مرئی علامت۔ اس کو حرکت میں لانے والی چیز رضائے الٰہی کی طلب تھی نہ کہ منافع مادّی کی طلب۔ اس میں عمل کی گرمی پھونکنے والی قوت اعلائے کلمۃ اللہ کی خواہش تھی نہ کہ نسل و وطن کو سربلند کرنے کی تمنا۔

اس قوم کے نفسیات دُنیا سے نرالے ہیں۔ جو چیزیں دوسروں کو جمع کرنے والی ہیں وہ اس قوم کو منتشر کر دینے والی ہیں۔ جو صدائیں اپنے اندر دوسروں کے لئے غیر معمولی کشش رکھتی ہیں وہ اس قوم کے دل میں الٹی نفرت پیدا کر دیتی ہیں ——— جن مرئی علامتوں پر دوسرے گرویدہ ہوتے ہیں یہ ان کے لئے کوئی جذبۂ عقیدت اپنے اندر نہیں پاتے ——— جن چیزوں میں دوسروں کو گرما دینے کی طاقت ہے وہ ان کے دلوں میں الٹی سردی پیدا کر دینے کا اثر رکھتی ہیں ——— جو چیزیں دوسروں کو عمل پر ابھارنے والی ہیں وہی ان کو میدان عمل سے دور

بھگانے والی ہیں۔ سارے قرآن کو اٹھا کر دیکھ جاؤ۔ پوری سیرت نبویؐ پر نظر ڈال لو۔ خلافت راشدہ کے دور سے اس زمانہ تک کی اسلامی تاریخ پڑھ لو۔ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کی فطرت کیا ہے اور مسلمان قوم کا مزاج کس قسم کا ہے ۰:

جو قوم اس سوال پر صدیوں سے جھگڑ رہی ہے کہ نبیؐ پر سلام بھیجتے وقت بھی کھڑا ہونا چاہیئے یا نہیں، کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ "بندے ماترم"، کا گیت سُننے کے لیے تعظیماً کھڑی ہو گی؟ جس قوم کے دل میں مرئیات سے عقیدت کے بجائے سخت نفرت بٹھائی گئی ہے کیا تمہیں امید ہے کہ وہ کسی جھنڈے کو سر جھکا کر سلامی دے گی؟ جو قوم تیرہ سو برس تک خدا کے نام پر بلائی جاتی رہی ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ اب وہ بھارت ماتا کے نام پر پروانہ وار دوڑتی چلی آئے گی؟ جس قوم کے دل میں عمل کی گرمی پیدا کرنے والا داعیہ اب تک محض اعلائے کلمۃ اللہ کا داعیہ رہا ہے، کیا تمہارا گمان ہے کہ اب معدے اور بدن کے مطالبات اس میں حرارت پھونکیں گے، یا کونسلوں کی نشستوں اور ملازمتوں کے تناسب کا سوال اس کے قلب و روح کو گرما دے گا؟ جس قوم کو عقیدے اور عمل کی وحدت پر جمع کیا گیا تھا، کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ وہ سیاسی اور معاشی پارٹیوں میں تقسیم ہو کر کوئی طاقتور عملی قوم بن جائے گی؟ تخیل کی بنیادوں پر نظریات کی عمارتیں اٹھانے والے جو چاہیں کہیں۔ مگر جس کسی نے قرآن اور سنت سے اسلام کے مزاج کو سمجھا ہے وہ بادنیٰ تامل یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ مسلمان قوم کی فطرت جب تک بالکل مسخ نہ ہو جائے، وہ نہ تو ان محرکات سے حرکت میں آسکتی ہے اور نہ ان جماعات کے ذریعہ سے جمع ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم بلاشبہ ان ذرائع سے جمع ہو جائیں گے اور

ان میں حرکت بھی ان محرکات سے پیدا ہو جائے گی کیونکہ ان کو جمع کرنے اور حرکت میں لانے والی کوئی اور چیز نہیں ہے۔ ان کا مذہب ان کو منتشر کرتا ہے اور صرف وطن کی خاک ہی ان کو جمع کرتی ہے۔ ان کے معتقدات ان کے دلوں کو سرد کرنے والے ہیں۔ ان میں حرارت صرف معدے ہی کی گرمی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر مسلمان جس کو خدا کے نام پر جمع کیا گیا تھا اور جس میں ایمان کی گرمی پھونکی گئی تھی، آج تم اس کو ذلیل مادّی چیزوں کے نام پر جمع نہیں کر سکتے، اور نہ ادنیٰ درجہ کی خواہشات سے اس میں حرارت پیدا کر سکتے ہو۔ اس طریقہ میں اگر تم کو کامیابی نصیب بھی ہو سکتی ہے تو صرف اس وقت جبکہ تم مسلمان کو فطرت اسلام سے ہٹا دو اور اسے بلندیوں سے گرا کر پستیوں میں لے آؤ۔

اس کے معنی یہ نہ سمجھو کہ مسلمان وطن کا دشمن ہے۔ ہرگز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وطن کی اصلاح و ترقی کے لئے کیا کچھ نہیں کیا؟ خلفائے راشدین نے وطن اور ابنائے وطن کی کیا کچھ کم خدمت کی؟ بعد کے مسلمان جس جس ملک میں گئے کیا انہوں نے اس کو جنت بنا کر نہیں چھوڑا؟ غیر مسلم قوموں کے ساتھ فیاضانہ معاملہ کرنے میں کیا کبھی کوئی کوتاہی کی گئی؟ پس اوپر ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان اپنے ملک یا اپنی قوم کے معاشی اور تمدنی مسائل سے بالکل بے پروا ہے۔ بلکہ ہم یہ بات ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان کی اصلی قوتِ محرکہ یہ چیز نہیں ہیں، اس کی جمعیت ان بنیادوں پر قائم نہیں ہوئی ہے۔ اس میں زندگی کی حرارت پیدا کرنے والی چیز یہ نہیں ہے۔ وہ طاقت ور اور منظم ہونے کے بعد ان سب مسائل کو حل کرنے میں حصہ لے سکتا ہے اور دوسروں سے بڑھ کر حصہ

لے سکتا ہے، مگر اس کو طاقتور اور منظم بنانے کے ذرائع یہ نہیں ہیں، بلکہ کچھ اور ہیں ۔

مسلم قوم کس طرح بنائی گئی تھی؟

اب ایک قدم اور آگے بڑھئے۔ یہ دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نئی قوم کن طریقوں سے بنائی تھی اور اس میں کن ذرائع سے وحدت اور قوتِ عمل پیدا کی تھی ۔

جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت لے کر اُٹھے تھے تو ساری دُنیا میں تنہا آپ ہی ایک مسلم تھے۔ کوئی آپ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا۔ دنیوی طاقتوں میں سے کوئی طاقت آپ کو حاصل نہ تھی۔ گرد و پیش جو لوگ تھے ان میں خود سری اور انفرادیت انتہا درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ ان میں سے کوئی کسی کی بات سُننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ وہ نسل اور قبیلہ کی عصبیت کے سوا کسی اور عصبیت کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ ان کے ذہن ان خیالات اور مقاصد سے کوئی دور کا لگاؤ بھی نہ رکھتے تھے جن کی تبلیغ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تھے۔ اس ماحول اور ان حالات میں کون سی طاقت تھی جس سے ایک تنہا انسان، بے یار و مددگار اور بے وسیلہ انسان نے ان لوگوں کو اپنی طرف کھینچا؟ کیا آنحضرتؐ نے عربوں کو یہ لالچ دیا تھا کہ مَیں تم کو زمین کی حکومت دلواؤں گا؟ رزق کے خزانے دلواؤں گا؟ دشمنوں پر فتح اور غلبہ بخشوں گا؟ بیرونی غاصبوں کو نکال باہر کروں گا اور عرب کو ایک طاقتور سلطنت بنا دوں گا؟ تمہاری تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دوں گا، تمہارے وسائلِ معیشت بڑھاؤں گا اور تمہیں ایک ترقی یافتہ اور غالب قوم بنا کر چھوڑوں گا؟ ظاہر ہے کہ ایسا کوئی لالچ

آپ نے نہیں دلایا تھا۔ پھر کیا آپ نے امیروں کے مقابلہ میں غریبوں کی اور سرمایہ داروں اور زمینداروں کے مقابلہ میں مزدوروں اور کاشتکاروں کی حمایت کا بیڑا اٹھایا تھا؟ سیرتِ نبویؐ گواہ ہے کہ یہ چیز بھی نہ تھی۔ پھر کیا آپؐ نے کوئی سیاسی یا تعلیمی یا تمدنی یا معاشی یا فوجی تحریک اُٹھائی تھی اور اس کی طرف لوگوں کو کھینچنے کے لئے نفسیاتی حربوں سے کام لیا تھا؟ واقعات شاہد ہیں کہ ان میں سے بھی کوئی چیز نہ تھی پھر غور کیجئے کہ آخر وہ کس چیز کی کشش تھی جس نے عربی اور عجمی، امیر اور غریب، آقا اور غلام سب کو آپؐ کی طرف کھینچا؟ دُنیا جانتی ہے کہ وہ صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک قرآن کی تعلیم۔ دوسرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت۔ لوگوں کے سامنے یہ پیغام پیش کیا گیا تھا کہ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ ان کو اس بات پر جمع کیا گیا تھا کہ اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ۔ اُن کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ ان کے سامنے یہ نصب العین رکھا گیا تھا کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ پھر جس شخص نے ان کو یہ دعوت دی تھی اس کا حال یہ تھا کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ۔ وہ جو کچھ کہتا تھا سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر خود اس پر عمل کر کے دکھاتا تھا۔ وہ فضیلت اخلاق اور اور عمل صالح کا مجسمہ تھا، اور اس کی زندگی میں راست بازی اور راست روی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

یہی دو چیزیں تھیں جنہوں نے ہر طرف سے لوگوں کو کھینچا اور وہ قوم بنا دی جس کا نام مسلمان ہے۔ نوع انسانی کے مختلف طبقوں اور گروہوں میں سے جن جن لوگوں کے لئے ان دو چیزوں میں کوئی کشش تھی، وہ اس مرکز کی طرف کھنچتے چلے گئے اور انہی سے مسلمان قوم وجود میں آئی۔ دوسرے الفاظ میں اس حقیقت کو یوں سمجھئے کہ اسلامی جمعیت نام ہی اس جمعیت کا ہے جو قرآن اور سیرت محمدیؐ کی کشش سے وجود میں آئی ہے۔ جہاں زندگی کے وہ اصول اور مقاصد ہونگے جو قرآن نے پیش کئے ہیں، اور جہاں طرز عمل وہ ہوگا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، وہاں "مسلمان" جمع ہو جائیں گے، اور جہاں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں گی وہاں ان لوگوں کے لئے قطعاً کوئی کشش نہ ہوگی جو "مسلمان" ہیں۔

مسلمانوں کی قومی تحریکات کے ناکام ہونے کی وجہ

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہماری قومی تحریکات میں بنیادی نقص کون سا ہے جس کی وجہ سے مسلمان کسی تحریک کی طرف بھی فوج در فوج نہیں کھنچتے اور ہر داعی کی آواز بہرے کانوں سے سُنتے ہیں۔ ان کی فطرت وہ آواز سُننا چاہتی ہے اور وہ طرز عمل دیکھنا چاہتی ہے جس کی کشش نے ان کو ساری دُنیا سے الگ ایک قوم بنایا تھا۔ مگر افسوس کہ نہ وہ آواز کسی طرف سے آتی ہے اور نہ وہ طرز عمل کہیں نظر آتا ہے۔ بلانے والے ان کو ایسے مقاصد کی طرف بلاتے ہیں جو ان کی زندگی کے اصلی مقاصد نہیں ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ علو اور تمکن فی الارض کی طرف آؤ۔ حالانکہ یہ مسلمان کا نصب العین نہیں ہے بلکہ اپنے نصب العین

و اعلائے کلمۃ اللہ، کے لئے اس کی بے غرضانہ جد وجہد کا طبعی نتیجہ ہے۔ کوئی ان کو وطن پرستی کی طرف بلاتا ہے، حالانکہ اسی چیز کو چھوڑ کر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوئے تھے۔ کوئی ان کو نہایت ادنٰے درجہ کے مادّی فوائد کی طرف بلاتا ہے، حالانکہ مسلمان کی نگاہ میں ان کی حیثیت متاع غرور سے زیادہ نہیں۔ پھر جو لوگ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے اُٹھتے ہیں ان کی زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ادنیٰ جھلک تک نظر نہیں آتی۔ کہیں مکمل فرنگیت ہے۔ کہیں نہرو اور گاندھی کا اتباع ہے۔ کہیں جبّوں اور عماموں میں سیاہ دل اور گندے اخلاق لپٹے ہوئے ہیں۔ زبان سے وعظ اور عمل بدکاریاں۔ ظاہر میں خدمت دین اور باطن میں خیانتیں، غداریاں اور اغراض نفسانی کی بندگیاں۔ جمہور مسلمین بڑی بڑی امیدیں لے کر ہر نئی تحریک کی طرف دوڑتے ہیں۔ مگر مقاصد کی پستیاں اور عمل کی خرابیاں دیکھ کر ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔

خیر یہ ایک دوسری داستان ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے طریق تنظیم پر غور کیجئے کہ مسلمان قوم کی تنظیم اگر ہو سکتی ہے تو اسی طریق پر ہو سکتی ہے۔

اسلامی تنظیم کے اصول

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی جمعیت اس ڈھنگ پر بنائی تھی کہ پہلے تو آپ نے انسانی گروہ میں سے صرف ان لوگوں کو چھانٹ لیا جن کی فطرت میں ایک خالص صداقت، اور ایک پاک زندگی کی طرف کھنچنے کی صلاحیت تھی۔ پھر تعلیم و تربیت کے بہترین ذرائع سے کام لے کر ان میں سے ایک ایک فرد کی اصلاح فرمائی، اس کے دل میں زندگی کا ایک بلند مقصد بٹھا

دیا۔ اور اس کے کیرکٹر میں اتنی مضبوطی پیدا کی کہ وہ اس مقصد کے لئے جم کر جدوجہد کرے اور کسی فائدہ کا لالچ یا کسی نقصان کا خوف اسے اس مقصد کی راہ سے نہ ہٹا سکے۔ اس کے بعد ان افراد کو ملا کر ایک جماعت بنا دیا تاکہ افراد میں جو کچھ کمزوریاں باقی رہ جائیں، جماعت کی طاقت ان کو دور کرے، اجتماعی ماحول ایسا بن جائے جس میں نیکیاں پرورش پائیں، اور برائیاں ابھر نہ سکیں۔ افراد اپنے مقصد حیات کی تکمیل میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں، اور اجتماعی طاقت سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس تعمیر کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی ماہر فن انجینیر اینٹوں کے ڈھیر میں سے چھانٹ کر بہترین اینٹیں لے، پھر ان کو اس طرح پکائے کہ ایک ایک اینٹ بجائے خود سنگ بستہ ہو جائے۔ پھر ان سب کو نہایت عمدہ سیمنٹ سے جوڑ کر ایک مستحکم عمارت بنا دے۔

اس تنظیم کے بڑے بڑے اصول یہ تھے:-

اجماعت کے تمام افراد کم از کم دین کے جوہر سے واقف ہوں تاکہ وہ کفر و اسلام میں تمیز کر کے اسلام کے طریقہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہ سکیں۔

۲۔ اجتماعی عبادات کے ذریعہ سے افراد میں اخوت، مساوات اور تعاون کی اسپرٹ پیدا کی جائے۔

۳۔ جماعت کے تمدن و معاشرت میں ایسے امتیازی خصائص اور حدود مقرر کئے جائیں جن سے وہ دوسری قوموں میں خلط ملط نہ ہو سکیں اور باطنی و ظاہری دونوں حیثیتوں سے ایک الگ قوم بنے رہیں۔ اسی لئے تشبّہ بالاجانب کی سختی کے

ساتھ ممانعت کی گئی۔

۴۔ تمام اجتماعی ماحول پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھایا رہے تاکہ جماعت کے دائرہ میں کوئی انحراف اور کوئی بغاوت راہ نہ پا سکے۔ سرکشی کا پہلا اثر ظاہر ہوتے ہی اس کا استیصال کر دیا جائے، اور منافقین کے ساتھ غلظت اور شدت کا ایسا برتاؤ ہو کہ یا تو وہ جماعت سے نکل جائیں یا اگر رہیں تو کوئی فتنہ نہ اٹھا سکیں۔

۵۔ پوری مسلمان قوم ایک انجمن ہو، اور ہر مسلمان مرد اور عورت کو مجرد اسلامی حق کی بنا پر اس کی رکنیت کا مساویانہ مرتبہ حاصل ہو ــــ ایسے تمام انتسابات اور امتیازات کو مٹا دیا جائے جو مسلم اور مسلم میں تفریق کرتے ہوں۔ ہر فرد مسلم کو قومی معاملات میں حصہ لینے اور رائے دینے کا پورا حق حاصل ہو، حتیٰ کہ اگر ایک غلام بھی کسی کو امان دیدے تو وہ پوری قوم کی طرف سے امان ہو۔

۶۔ جماعت کے تمام افراد ایک نصب العین پر متحد ہوں اور اس کے لئے جد و جہد اور قربانی کرنے کا جذبہ ان میں موجود ہو ــــ ایک گروہ صرف اسی نصب العین کی خدمت کے لئے وقف رہے اور بقیہ افراد جماعت اپنی معاش کے لئے جد و جہد کرنے کے ساتھ ساتھ پہلے گروہ کی ہر ممکن طریقہ سے مدد کرتے رہیں اور مجموعی طور پر پوری جماعت اور اس کے ہر ہر فرد کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوا ہو کہ اس کی زندگی کا اصل مقصد روزی کمانا نہیں بلکہ اسی ایک نصب العین کی خدمت کرنا ہے۔

تنظیم کے یہی اصول تھے جن سے وہ زبردست جماعت پیدا ہوئی جو دیکھتے دیکھتے آدھی دنیا پر چھا گئی ــــ اس طریق تنظیم کی رفتار ابتدا میں بہت سست تھی، حتیٰ کہ پندرہ برس تک وہ چند سینکڑوں سے زیادہ افراد کو اپنے دائرہ میں نہ لا سکی مگر اس میں

یہ قاعدہ مدنظر رکھا گیا تھا کہ توسیع (EXPANSION) کے ساتھ ساتھ استحکام (CONSOLIDATION) بھی ہوتا رہے اس لئے یہ نظام جماعت جتنا پھیلتا گیا اتنا ہی مضبوط ہوتا چلا گیا، یہانتک کہ جب ایک معتدبہ جماعت اس طریق پر منظم ہوگئی تو وہ اتنی طاقت کے ساتھ اٹھی کہ دُنیا کی کوئی چیز اس کے سیل رواں کو نہ روک سکی ـــــ قرآن مجید میں اس کی چھوٹی سی ابتدا پھر تدریجی ترقی، پھر غیر معمولی شان و شوکت کے ساتھ اس کے ظہور کو کیسے بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے:- كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔

مسلمان قوم کے مزاج کے ساتھ بھی طریق تنظیم مناسبت رکھتا ہے۔ یہ قوم تو پہلے ہی سے ایک جمعیت ہے ـــــ اس جمعیت کے اندر کوئی الگ جمعیت الگ نام سے بنانا اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی وردی، یا کسی ظاہری علامت، یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا، اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے انکے اندر جماعتوں اور فرقوں کی عصبیتیں پیدا کرنا یہ دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ یہ تنظیم نہیں تفرقہ پردازی اور گروہ بندی ہے ـــــ لوگوں نے آنکھیں بند کر کے جمعیت سازی کے یہ طریقے اہل مغرب سے لے لئے ہیں، مگر انکو معلوم نہیں ہے کہ جو چیزیں دوسری قوموں کے مزاج کو موافق آتی ہیں وہ مسلمان قوم کے مزاج کو موافق نہیں آتیں۔ اس قوم کو اگر کوئی چیز راس آسکتی ہے تو وہ ایک ایسی جمہوری تحریک ہے جو پوری قوم کو ایک انجمن سمجھ کر شروع کی جائے اور جس میں توسیع و استحکام کے اُسی تناسب کو ملحوظ رکھا جائے جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملحوظ رکھا تھا آپ اگر کچے اور کمزور مسالے کو لیکر ریت کی سطح پر ایک ٹھ ہی عمارت کھڑی کر دینگے اور اس سے قلعے کا کام لینا چاہینگے تو لامحالہ وہ سیل حوادث کی ایک ٹکر بھی نہ جھیل سکے گی ۔